© rasailojaraid.com

وعظ روحانی علاج ہے

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاک دامن ہیں، ایسی باتوں سے بے خبر ہیں، ایمان والیاں ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور اُن کو بڑا عذاب ہوگا۔''

قبل اِس کے کہ میں اس آیت کے متعلق کچھ عرض کروں مستورات کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ زیادہ تر یہ وعظ آپ ہی لوگوں کی ضرورت سے کیا گیا ہے، خصوصیت کے ساتھ۔ اس لیے اہتمام کے ساتھ متوجہ ہو کر سنیں۔ کیونکہ آپ کو بہت کم موقع ملتا ہے، ایسے مضامین سننے کا کیونکہ ان کو وقت نہیں ملتا اپنی ضرورتوں کی وجہ سے، خواہ واقعی ضرورتوں میں مشغول ہوں یا خیالی ضرورت میں۔ بہر حال طرز ایسا ہی واقع ہو رہا ہے جس میں کسی قدر کسل کو بھی دخل ہے اور دوسرے اسباب بھی ایسے مجتمع ہیں کہ ان کو بہت ہی کم وقت ملتا ہے مضامین سننے کا، ایسے میں اگر کبھی موقع مل جائے تو اس کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔

اور وعظ سے جو اصل مقصود ہے اُس کو وعظ سننے کے وقت پیش نظر رکھنا چاہیے۔ جس کی حقیقت میں بیان کرتا ہوں۔ آپ کو اس کی نیت کر لینا چاہیے اور نیت فعل اختیاری ہے، آپ اُس کو درست کر سکتی ہیں۔ اگر پہلے سے کوتاہی واقع ہوئی ہے تو اس وقت اُس کی اصلاح کر سکتی ہیں۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ وعظ ایک روحانی مطب ہے۔ یعنی باطنی اصلاح کی تدبیروں کا نام ہے جس سے باطنی امراض کا علاج ہوتا ہے بس یہ حاصل ہے وعظ کا۔ سو جو صاحب وعظ سننے والے ہیں وہ وعظ سننے سے پہلے اپنی نسبت سمجھ رکھیں کہ وہ بیماریوں میں مبتلا ہیں، وعظ سے اُن کا اعلاج بتایا جا رہا ہے۔ بس اس کی تدبیریں سن کر حالت درست کر لینے کا عزم کر لیا جائے۔

آج کل وعظ سننے سے لوگوں کی غرضیں مختلف ہوتی ہیں۔ چنانچہ بعض کی غرض تو محض ادائے رسم ہی ہوتی ہے، جیسے بہت سے کام دن رات ہوتے ہیں، ایسے ہی یہ بھی ایک کام کر لیا۔ بعض کی یہ نیت ہوتی ہے کہ وعظ ایک برکت کی چیز ہے اس کے ہونے سے گھر میں برکت ہو جائے گی۔ اللہ رسول کا نام لیا جائے گا۔ بعض کی نیت یہ ہوتی ہے کہ شریک ہو کر اتنی دیر گناہوں سے بچے رہیں گے، ثواب لکھا جاوے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر اصلی غایت جو ہے وعظ کی وہاں تک لوگوں کی نظر ہی نہیں اور اُس اصلی غرض کا حاصل امراض روحانی کا معالجہ ہے۔ یعنی اپنے امراض کو غور کر کے دیکھنا اور اُس کی تدبیر کرنا۔ اگر یہ نیت پہلے سے نہ کی ہو تو اب کر لینی چاہیے۔ اور اس نیت سے ثواب بھی مل جاتا ہے۔ باقی محض تھوڑی دیر کے لیے ثواب ہونے کی غرض سے سنا تو یہ تھوڑی دیر تک تو نافع ہوگا پھر کچھ بھی نہیں۔ حق تعالیٰ اپنے کلام میں تصریح فرماتے ہیں۔

ترجمہ: ہم نے اپنے کلام کو اس واسطے نازل کیا ہے کہ اس میں غور کیا کریں اور اُس پر عمل کیا کریں۔''

گو اس کی تلاوت میں بھی ثواب ہے اور خالی تلاوت بھی ثواب سے خالی نہیں مگر اس آیت نے یہ بات بتلادی کہ اصلی غرض صرف یہ ہے کہ مضامین کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ مگر ہماری یہ حالت ہے کہ ہم تدبر نہیں کرتے، سوچتے نہیں، ذہن میں مضامین کا تکرار نہیں کرتے، حالانکہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی کو خارش کا مرض ہو جاوے اور اُس کا کوئی اُس کو نسخہ مل جائے تو وہ بار بار اُس کو ذہن میں رٹتا ہے تاکہ یاد رہے پھر اس کا استعمال کرتا ہے محض اس خیال سے کہ خارش برا مرض ہے۔ سو اگر اسی طرح سے وعظ کو تھوڑا ہی سنا جائے مگر اس کو یاد کیا جائے اور اُس کا ذہن میں تکرار و اعادہ کیا جائے۔ تو جو سنا جائے گا ضرور یاد رہے گا۔ پھر عمل کا اہتمام کیا جائے تو اس طریقہ سے دو، چار وعظ میں پوری اصلاح ہو سکتی ہے۔ اسی واسطے حق تعالیٰ ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں۔ ''جس کے قلب ہو یا کانوں کو متوجہ کرے۔'' مراد یہ کہ قلب کو حاضر کرے اور کان لگائے۔ اُس کے واسطے اس میں نصیحت ہے اور ایسے ہی شخص کو نفع ہوتا ہے، چنانچہ ایک موقع پر فرماتے ہیں۔

ترجمہ: ''اور آپ نصیحت کیجئے کیونکہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے۔''

وجہ اس نفع کی وہی ہے کہ وہ قلب کو حاضر کر کے اور کان لگا کر سنتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ وعظ مسلمانوں کو نفع دیتا ہے اور جب وعظ کا نافع ہونا حق تعالیٰ بیان فرما رہے ہیں تو نعوذ باللہ (ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں) یہ تو احتمال ہی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کا بیان فرمایا ہوا کوئی امر خلاف واقع ہو۔ مگر ظاہر میں شبہ ہوتا ہے کہ قرآن شریف سے تو اس کا نافع ہونا معلوم ہوا مگر باوجود اس کے بعض جگہ نفع نہیں ہوتا، یہ کیا بات ہے تو جواب اس کا یہی ہے کہ نفع کی وہی شرط ہے۔

ترجمہ: جو شخص قلب کو حاضر کرے اور کان لگا کر سنے۔'' سو واقع میں یہ شبہ قرآن شریف پر نہیں ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ طبیب کہتا ہے کہ دوا نافع ہے۔ معنی اس قول کے یہ ہیں کہ اس کا نفع بعض شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر کہیں نفع ظاہر نہ ہو تو یہ نہیں کہ دوا نافع نہیں، نافع یقیناً ہے۔ مگر بوجہ فقدان شرائط کا اُس کے نفع ظاہر نہیں ہوتا۔

پس جس طرح اطباء دوا کی خاصیت بیان کرتے ہیں، اسی طرح حق سبحانہ وتعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعمال کی خاصیت بیان فرماتے ہیں۔ پس جیسے اس دوا کی غایت کا ظاہر ہونا مشروط بشرائط ہے، اسی طرح اعمال کے لیے بھی شرائط ہیں اور وہ شرط حق تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اس میں ایسے شخص کے لیے نصیحت ہے جس کے قلب ہو یا کان لگا کر سنے۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور بھی جا بجا قرآن شریف میں ان شرائط کو بیان کیا ہے۔ کہیں ہے یَتَدَبَّرُوْنَ کہیں ہے یَتَذَکَّرُوْنَ کہیں ہے یَتَفَکَّرُوْنَ کہیں ہے لِیَدَّبَّرُوْا اٰیٰتِہٖ کسی جگہ ہے وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُو الْاَلْبَابِ

یہ آیتیں بتلا رہی ہیں کہ جو شخص سوچے، یاد رکھے، خیال کرے، قصد بھی کرے، ہمت بھی کرے تو اُس کو نفع ہوگا۔ اگر کوتاہی ہو جائے تو توبہ کرے اور متوجہ ہو جاوے۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ نہ سوچتے ہیں، نہ یاد رکھتے ہیں، نہ خیال کرتے ہیں، نہ قصد، نہ ہمت، نہ عمل، تو نفع بھی نہیں ہوتا۔ سو نفع نہ ہونے پر تعجب کرنا ہی بے بنیاد ہے۔ اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ وعظ سے اگر توفیق ہو کر گناہ کم ہونے لگیں تو اتنا نفع کیا کم ہے بلکہ اور ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر گناہ ترک نہ ہوں محض توبہ کی توفیق ہو کر گذشتہ ہی گناہ معاف ہو جائیں تو خود یہ کتنا بڑا نفع ہے، خواہ پھر گناہ ہی کیوں نہ ہونے لگیں۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی بخار میں مبتلا ہوتا ہے یا اور کوئی موسمی شکایت ہو جاتی ہے، ہم نے نہیں دیکھا کہ اُس نے علاج نہ کیا ہو محض اس خیال سے کہ اگر اچھا بھی ہو گیا تو اگلے سال پھر بیمار ہو جاؤں گا، وہاں تو علاج کو نافع سمجھ کر کر لیا جاتا ہے۔ مگر یہاں یہ خیال ہوتا ہے کہ ایسے توبہ سے کیا فائدہ کہ پھر گناہ ہو جائے۔ اس لیے جب ساری عمر گزر چکے گی اس وقت توبہ کر لیں گے۔

سچ یہ ہے کہ ہم یہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے اندر امراض بھی ہیں ورنہ امراض جسمانی کا سا معاملہ یہاں بھی ہوتا اور اس وقت وعظ کو وعظ سمجھ کر سنتے۔ یہی وجہ ہے کہ وعظ کا نفع باقی نہیں رہتا۔ دوسری بات یہ قابل عرض ہے کہ زیادہ مقصود چونکہ اس وقت سنانے سے مستورات ہیں اس لیے مستورات کو چاہیے کہ اس کا خیال رکھیں اور بہت متوجہ ہو کر سنیں۔ یہ مستورات کی خدمت میں عرض تھی مختصر۔

ایک بات مستورات کے متعلق یہ ہے کہ وعظ میں مستورات پردہ کا خاص اہتمام رکھیں۔ کپڑا پردہ کا ہٹنے نہ پائے، اس واسطے کہ بہت جگہ ایسا دیکھا گیا ہے کہ مستورات مردوں کے سامنے ہو جاتی ہیں چنانچہ بعض جگہ ایسا ہوا تو میں حیران رہ گیا۔ اس وقت یہ خلاف تہذیب گفتگو اس لیے گورا کی ہے کہ اگر مستورات مردوں کے سامنے ہوتی ہیں تو نظر اور ذہن اُس طرف چلنے لگتا ہے، اس لیے اُن کو احتیاط رکھنا چاہیے کہ مردوں کے سامنے نہ ہوں۔ ایک بات یہ ہے کہ مرد خیال نہ کریں کہ جب مستورات مخاطب ہیں اور اُن کے متعلق بیان ہوگا تو پھر مردوں کو وعظ سے کیا فائدہ ہوا۔ بات یہ ہے کہ اول تو مضامین اکثر مشترک ہوتے ہیں اور اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ بعض مضامین خاص عورتوں کے ہی متعلق ہوں گے تو بھی آپ کو یہ فائدہ ہوگا کہ مستورات کی تعلیم کا طریقہ ہی معلوم ہو جائے گا۔

اس واسطے کہ آپ حضرات کے ذمہ اُن کی تعلیم بھی ہے۔ حدیث میں ہے، مرد اپنے خاندان میں اپنے متعلقین میں حاکم ہے۔ قیامت میں پوچھا جائے گا کہ محکومین کا کیا حق ادا کیا اور محض نان ونفقہ ہی سے حق ادا نہیں ہوتا کیونکہ یہ کھانا پینا تو حیات دنیا تک ہے، آگے کچھ بھی نہیں۔ اس لیے صرف اس پر اکتفا کرنے سے حق ادا نہیں ہوتا، چنانچہ حق تعالیٰ نے صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے اہل کو دوزخ سے بچاؤ۔''

یعنی اُن کی تعلیم کرو، حقوق الٰہی سکھاؤ، اُن سے تعمیل بھی کراؤ جب قدرت ہو اس میں آپ معذور نہ ہوں گے کہ ایک دفعہ کہہ دیا رسم کے طور پر پھر چھوڑ دیا۔ آپ ایک دفعہ میں سبکدوش نہ ہوں گے۔ اگر یہی مذاق ہے تو کھانے میں اگر نمک تیز کر دیں تو اُس وقت بھی اسی مذاق پر عمل کیا جائے کہ ایک بار کہہ دیا کہ بی بی اتنا تیز نمک ہے کہ کھایا نہیں جاتا، یہ کہہ کر فارغ ہو جایے۔ پھر اگر ایسا اتفاق ہو تو کچھ نہ کہئے حالانکہ وہاں ایسا نہیں کرتے بلکہ اُس پر ناراض ہوتے ہیں۔ اگر پھر کرے تو مارنے کو تیار ہو جاتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ وہاں سکوت سے ضرر سمجھا جاتا ہے اور دین کے معاملے میں یوں کہہ دیتے ہیں کہ جیسے کرے گی ویسا بھرے گی اور غور سے دیکھئے تو وہاں ضرر ہی کیا پہنچا؟ صرف یہ کہ کھانا بگڑ گیا اور کیا زیادہ بات ہوئی۔ یہاں تو دین کا ضرر ہے۔ اب سمجھ لیجئے جیسے سکوت سے وہاں آپ کا ضرر ہے سکوت سے یہاں بھی آپ کا ضرر ہے کہ اُن کے متعلق آپ سے باز پرس ہوگی۔ یہ کیا تھوڑا ضرر ہے؟

اب دوسرے مذاق کے اعتبار سے اور گفتگو کرتا ہوں۔ کوئی آپ کا چاہتا بچہ ہو وہ دوا نہ پئے تو آپ زبردستی دوا پلاتے ہیں، بے مروتی گوارا کرتے ہیں۔ اگر ویسے نہ پئے تو چمچہ سے اُس کے منہ میں ڈالتے ہیں اس خیال سے کہ یہ تو بے وقوف ہے، نادان ہے انجام پر اُس کی نظر نہیں۔ مگر ہم کو تو اللہ تعالیٰ نے سمجھ دی ہے وہاں اس کو آزاد نہیں چھوڑتے۔ ہر طرح سے اُس کی حفاظت رکھتے ہیں۔ سو کیا وجہ ہے کہ وہاں تو اس مذاق سے کام لیا جاتا ہے اور یہاں نہیں لیا جاتا۔ سچ یوں ہے کہ مردوں نے بھی دین کی ضرورت کو ضرورت نہیں سمجھا۔ کھانا ضروری، فیشن ضروری، ناموری ضروری مگر غیر ضروری ہے تو دین۔ دنیا کی ذرا ذرا سی مضرت کا خیال ہوتا ہے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اگر دین کی مضرت پہنچ گئی تو کیسا بڑا نقصان ہوگا۔ پھر وہ مضرت اگر ایمان کی حد میں ہے تب تو چھٹکارا بھی ہو جائے گا مگر نقصان جب بھی ہوگا گو دائمی نہ ہو اور اگر ایمان کی حد سے بھی نکل گئی تو ہمیشہ کا مرنا ہو گیا اور تعجب ہے کہ دنیا کی باتوں سے تو بے فکری نہیں ہوتی، مگر دین کی باتوں سے کس طرح بے فکری ہو جاتی ہے۔

اسی بے فکری کا ایک شعبہ ہے کہ مرد عورتوں کی تعلیم کو اپنے ذمہ ہی نہیں سمجھتے۔ بلکہ بعض کی رائے تو یہ ہے کہ تعلیم مضر ہے۔ مگر اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی نے اپنے گھر والوں کو کھانا کھلایا، اتفاق سے بی بی بچہ سب کو ہیضہ ہو گیا۔ اب آپ نے رائے قائم کی کہ کھانے پینے سے تو ہیضہ ہو جاتا ہے، اس لیے سب کا کھانا پینا بند۔ اور دل میں جما لیا کہ کھانے کے برابر کوئی بری چیز نہیں۔ سو تعلیم سے اگر کسی کو ضرر پہنچ گیا تو یہ تعلیم کی بدتدبیری سے ہے نہ کہ تعلیم سے۔

تعلیم دین تو مضر ہو ہی نہیں سکتی۔ جب اُس کے لیے ایسے فضائل ہیں اور اُس کے منافع دیکھے بھی جاتے ہیں تو پھر وہ کیسے مضر ہو سکتی ہے۔ غرض یہ کہ تعلیم عورتوں کی مردوں کے ذمہ ہے۔ ان کی ذمہ داری صرف کھانا کپڑا دینے سے پوری نہیں ہوتی۔ پس اس سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ تعلیم ضروری ہے۔

اب اس کا بیان ہونا چاہیے کہ اُس کا طریقہ کیا ہے۔ اس سے مردوں کو یہ نفع ہو جائے گا کہ نصاب تعلیم معلوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جائے گا۔ اُس کا انتظام کر سکیں گے اور مرد اگر تدبر سے کام لیں تو یہ مضامین بچوں، عورتوں، مردوں سب کے لیے نافع ہو سکتے ہیں۔ اگر چہ ظاہراً خاص ہیں مستورات کے ساتھ۔

غرض آیت گو ایک واقعہ خاص میں نازل ہوئی ہے مگر مخصوص نہیں ہے اس واقعہ کے ساتھ۔ کیونکہ ہر واقعہ کے لیے ایک قانون ہوتا ہے۔ سو اگر قانون اس واقعہ کے قبل بنا ہوا ہے تب تو ٹھیک ہے اور اگر بنا ہوا نہیں ہے تو اُس کے لئے قانون بنایا جاتا ہے اور جب تک حکومت رہتی ہے، وہ قانون جاری رہتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ واقعات کا انحصار ہو ہی نہیں سکتا، اس لیے قوانین کلیہ بنائے جاتے ہیں تا کہ ضرورت کے واقعات کو ان قوانین میں داخل کر سکیں۔

مثلاً کوئی آیت کسی خاص موقع میں نازل ہوئی تو وہ اسی موقع کے ساتھ خاص نہ ہوگی۔ بلکہ جو واقعہ بھی اس کے مثل پیش آئے گا تو وہ اس کو بھی شامل ہوگی جیسے:

ترجمہ: ''بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی، جب لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں۔''

یہ آیت بعض اہل کیل ووزن کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ مگر اُن ہی کے ساتھ خاص نہ ہوگی، جو بھی کم ناپے گا تولے گا سب کو اس آیت کی وعید شامل ہوگی۔ اسی طرح بہت سی آیات ہیں کہ موارد اُن کا خاص ہے مگر حکم عام ہے اور یہ عقلی مسئلہ ہے۔ اس میں زیادہ تفصیل کرنے کی حاجت نہیں۔ اسی طرح یہ آیت باوجود یہ کہ واقعہ خاص میں نازل ہوئی مگر حکم عام ہے۔

اب سمجھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کیا فرماتے ہیں؟ حق تعالیٰ اس آیت کے اندر ایک مضمون خاص بیان فرماتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جو لوگ تہمت لگاتے ہیں اُن عورتوں کو جو محفوظ ہیں اور جنہیں خبر نہیں اور ایمان والیاں ہیں اُن پر دنیا میں بھی لعنت ہوگی اور آخرت میں بھی اور اُن کے لیے بڑا عذاب ہوگا (آخرت میں) یہ تو ترجمہ کا حاصل ہے کہ پاک عورت کو تہمت لگانے والے پر لعنت ہے۔ اب سمجھئے کہ کسی کلام سے جو مقصود ہوتا ہے اس کو اصطلاح میں عبارت النص کہتے ہیں اور وہ مقصود ہی ہے جو ترجمہ کے حاصل میں بیان کیا گیا مگر مجھ کو اس وقت اُس مقصود کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس کا ایک اور مدلول بھی ہے جو مقصود نہیں۔ مگر آیت اس پر دلالت کرتی ہے جس کو اصطلاح میں اشارۃ النص کہتے ہیں۔ اس وقت اس کا بیان کرنا مقصود ہے اور وہ مضمون یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں عورتوں کی اچھی صفات بیان کی ہیں اور وہ صفات اعلیٰ درجہ کی ہیں، مجھ کو اُن صفات میں گفتگو کرنا مقصود ہے تا کہ عورتیں اپنے اندر اُن صفات کے پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

آیت میں غور کرنے سے اور لفظوں کے دیکھنے سے وہ تین صفات ہیں جن سے متصف ہونے والیوں کو تہمت لگانے والے پر ''لُعِنُوا'' کو مرتب کیا ہے، تو وہ صفات پیدا کرنی چاہئیں۔ پس ایک صفت ''المحصنات'' ہے۔ ایک صفت ''الغافلات'' ہے۔ ایک صفت المؤمنات ہے۔ حاصل ترجمہ محصنات کا ہے پارسا عورتیں اور لفظی ترجمہ ہے حفاظت کی گئیں۔ یعنی ان کو پارسائی کے خلاف باتوں سے محفوظ رکھا گیا۔ دوسری صفت ہے غَافِلَات یعنی بے خبر بھولی بھالیاں تیسری صفت اَلْمُؤْمِنَات یعنی ایمان والی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سو آیت میں بظاہر یہ صفات منتشر یعنی غیر مربوط اور غیر مرتب معلوم ہوتی ہیں کیونکہ پہلے اَلْمُحْصِنَات ہے پھر اَلْغَافِلات اور پھر اَلْمُؤْمِنَات حالانکہ ظاہراً مقتضائے ترتیب یہ تھا کہ اَلْمُؤْمِنَات کو پہلے لاتے۔ کیونکہ ایمان کا درجہ مقدم ہے سب چیزوں سے مگر ایسا نہیں کیا بلکہ مُحْصِنَات کو مقدم کیا مؤمنات پر، اس میں ضرور کوئی بڑا نکتہ ہے۔

بات یہ ہے کہ کلام حق تعالیٰ کا ضروری رعایتوں کا نہایت جامع ہے اور اس میں اس قدر تدقیق ہے کہ ضروریاتِ اصلاح کے متعلق جتنے امور ہیں اُن کا ضبط اس میں اس قدر کافی ہے کہ کسی کلام میں نہیں ہوسکتا۔ پس نظر غائر کرنے سے یہ صفات آپس میں مربوط بھی ہیں یعنی ان میں باہم علاقہ بھی ہے اور مرتب بھی ہیں۔

اس کے لیے پہلے ایک مقدمہ بیاں کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ انسان میں دو کمال پیدا کئے گئے ہیں اور اُن ہی کمالات کو بڑھانا انسان کو ضروری ہے۔ ایک کا نام قوتِ علمیہ اور دوسرے کا قوتِ عملیہ اور کوئی شخص ایسا نہیں جو اس میں اختلاف رکھتا ہو، خواہ وہ دنیا کا طالب ہو یا دین کا طالب ہو، وہ دنیادار ہو یا دین دار، وہ جاہل ہو یا عالم، وہ منطقی ہو یا فلسفی ہو آخر کوئی نہ کوئی کام تو کرے ہی گا۔ اور کرنے کا تعلق قوتِ عملیہ سے ہے۔ اگر قوتِ عملیہ نہ ہو تو اس کام کو کر ہی نہ سکے گا اور قوتِ علمیہ سے اُس کی حقیقت جانے گا اور اگر اتفاقی طور پر اس طرح کرے کہ قصد اور کو اختیار کو اس میں دخل ہی نہ ہو تو وہ بحث سے خارج ہے۔ مثلاً کوئی تجارت کرتا ہے تو اس کو ایک تو تجارت کے اصول جاننے چاہیے اور پھر وہ اصول برتنے چاہئیں۔ کوئی شخص کھیتی کرتا ہے تو پہلے طریقہ کھیتی کا معلوم کرے پھر کھیتی کرنا چاہیے۔ اسی طرح نوکری ہے پہلے اس کے اصول جاننا چاہیے۔ اس کے بعد قوتِ عملیہ سے کام شروع ہوتا ہے۔ میں کہاں تک مثالیں عرض کروں۔ یہ بات اس قدر ظاہر ہے کہ زیادہ مثالوں کی محتاج نہیں۔ غرض انسان میں ایک قوت علمیہ ہے جس سے نفع وضرر کو پہچانتا ہے۔ دوسری قوت عملیہ ہے اور انسان میں اصل بھی دو کمال ہیں، باقی جتنے کمال ہیں وہ سب اسی کی فرع ہیں اور عورتیں بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔ پس اُن کے کمالات بھی یہی دو ہوں گے ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں اور اسی طرح جتنی کتابیں دین کی ہیں اُن میں اُن ہی کمالات سے بحث ہوگی جو دین کے متعلق ہوں گے۔ گو دنیا کے کمالات کے تحصیل بھی ناجائز نہیں سو قرآن شریف کے دو کام ہوں گے۔ ایک تو کمالات دینی کا بتلانا، دوسری جس عمل میں مضرت آخرت کی ہو اُس سے روکنا جیسے طبیب کا کام ایک پرہیز کا اور دوسرے دوا کا بتلانا ہے۔ یہ اُس کے ذمہ نہیں کہ لذیذ کھانوں کی ترکیب بتلایا کرے۔ حکیم کے ذمہ یہ ہے کہ دوا اور پرہیز بتلادیں۔ گلگلہ پکانے کی ترکیب بتلانا یہ کام حکیم کا نہ ہوگا۔ اگر مریض نے اجازت چاہی کسی کھانے کی تو ترکیب اُس کھانے کی خوان نعمت میں ملے گی۔ طبیب ہونے کی حیثیت سے ترکیب کھانے کی اُن کے مطب میں نہ ملی گی۔ اگر کوئی اُن سے کھانے کی ترکیب پوچھنے لگے تو اُن کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ ہمارا کام یہ نہیں ہے۔ جاؤ کسی باورچی سے سیکھو۔ اگر خوش ہو کر بتلادیں تو یہ اُن کی عنایت ہوگی مگر اُن کے ذمہ نہیں۔ ہاں اُن کا یہ منصب ہے کہ جو چیز مریض کو مضر نہ ہو اس کی اجازت دیدیں اور اگر مضر دیکھیں تو روک دیں۔

☆☆.....☆☆

© rasailojaraid.com